شذرات

آج کل پاکستان میں تاجر طبقہ ہو یا کارخانے دار، ہر ایک میں حصولِ زر کی دوڑ میں بازی لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وقت کی عوامی حکومت اپنی طرف سے سر توڑ کوشش کر رہی ہے کہ عوام کو سہولت کے ساتھ کم قیمت اور بغیر ملاوٹ کے روزمرہ کی ضروری اشیاء بآسانی ملتی رہیں، چور بازاری، ملاوٹ اور سمگلنگ ختم ہو، مگر تاجروں میں کچھ طبقہ ایسا ہے کہ جس کے اندر انسانی ہمدردی مفقود معلوم ہوتی ہے۔ کبھی کسی چیز کی باہر کمی محسوس ہوئی تو اس کے دام آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تاجر لوگ مزارعوں اور زمینداروں سے معمولی نرخ میں موسم میں ضروری اشیاء بکثرت خرید کر کے رکھ لیتے ہیں پھر گاہکوں سے جو چاہیں دام وصول کرتے ہیں اور وہ چیز بڑھتے بڑھتے عوام کی خرید کی وسعت سے بڑھ جاتی ہے۔ دولت اور سرمایہ کے جمع کرنے کی یہ لگن عوام کے لیے باعث مصیبت بن جاتی ہے۔ مگر کوئی رحم نہیں کرتا۔ حالانکہ انسانی معاشرہ میں اسلام نے جو اصول ارتفاقات کے مقرر کیے ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو یہ مسئلہ بآسانی حل ہو سکتا ہے۔ انسانی معاشرہ فلسفہ اسلام کی رو سے ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہے اور بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہر انسان کھانے، پینے، دھوپ اور بارش سے حفاظت اور سردی سے بچنے کی غرض سے گرمی پیدا کرنے کے اسباب تلاش کرنے، وغیرہ میں اپنے ابناءِ جنس کا ہمنوا ہے۔ اور انسان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس نے ان ضروریات کی

سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس کی صورتِ نوعیہ کے اقتضاء کے موافق اس کو "الہاماتِ طبعیہ" سے نوازا ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ ان امور میں تمام افرادِ انسانی مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ البتہ وہ انسان اس سے مستثنیٰ ہے جو ناقص الخلقت ہے۔ اور اس کے مادہ نے خلاف ورزی کی ہے۔

"الہامات طبعیہ" میں انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، ان سے حیوانات کو بھی نوازا گیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح پھولوں پھلوں کو چوستی پھرتی ہیں؟ کس طرح اپنا گھر اور چھتہ بناتی ہیں؟ جس کے اندر وہ اور اس کے ابنائے جنس مجتمع ہوتے اور رہتے ہیں اور پھر کس طرح وہ اپنے قائد کی اطاعت کرتی ہیں اور پھر کس طرح وہ مل کر شہد بناتی ہیں؟ مگر انسان کو بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ تین چیزیں مزید عنایت کی گئی ہیں۔

اول یہ کہ انسان جب کسی شے کا قصد کرتا ہے تو کسی رائے کلی کے ماتحت کرتا ہے۔ یعنی انسان میں اجتماعی فکر اور سوچ بچار موجود ہے۔ وہ اگر کوئی کام کرتا ہے تو اس میں سارے انسانی معاشرہ کے رفاہ عام کو خیال میں رکھتا ہے اور صرف غرض محسوس کو سامنے نہیں رکھتا اور چوپائے اپنے "داعیہ طبعیہ" کی بناء پر صرف کسی غرض محسوس کی وجہ سے کام کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، مثلاً بھوک، پیاس وغیرہ کی خواہش ان پر سوار ہوئی اور وہ کر گزرے۔ بخلاف انسان کے کہ وہ بسا اوقات کسی منفعت معقول کی بنا پر اقدام کرتا ہے۔ یا اس لیے وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جاہ وعظمت کا سکہ بٹھلائے اور اپنی وجاہت اور اثر و رسوخ استعمال کرے۔

انسان کی حیوانات سے دوسری امتیازی چیز شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرتے وقت "ظرافت" اور "لطافت" کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اور دوسرے حیوان صرف اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ انسان بسا اوقات یہ چاہتا ہے کہ اپنی ضرورت سے بھی زیادہ کسی چیز کو حاصل کر لے اور اس میں نفاست پیدا کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور اپنے نفس کو لذتوں کی کیفیتوں سے

بہرہ ور کرے اور اسی بنا پر وہ خوبصورت رفیقۂ حیات، لذیذ و خوش ذائقہ کھانے، عمدہ لباس، بلند و بالا ایوانوں اور حویلیوں کا خواہش مند ہوتا ہے، مگر ان چیزوں میں بھی اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ رفاہیت بالغہ اور نہایت آرام پرستی کی حد کو نہ پہنچے، اپنے سماج کی ضروریات میں ان کا مددگار و معاون ہو، ان کی تکالیف اور ضروریات کو اپنی تکلیف اور ضرورت تصور کرے تب ہی وہ صحیح معنیٰ میں انسان ہوگا۔

حیوانوں سے تیسری امتیازی چیز یہ ہے کہ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے صاحب عقل و بصیرت ہوتے ہیں جو ضروریاتِ زندگی کے لیے مفید تدبیریں نکال لیتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں یہی امور اسی طرح کھٹکتے رہتے ہیں جس طرح ارباب عقل و بصیرت کے دلوں میں کھٹکتے رہتے ہیں، لیکن ان میں اخذ و استنباط کی قابلیت نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ حکماء سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کے استنباط کیے ہوئے مفید طریقوں کو سنتے ہیں تو ان کے قلوب ان چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ ان امتیازات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان "الہاماتِ ضروریہ" کا تعلق ان اشیاء ثلاثہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ تنفس کا کہ انسان کے لیے اصل تنفس کا ہونا لازمی ہے، جس طرح کہ حرکت نبض ضروری ہے۔ نبض ہوگی تو وہ حرکت کرے گی اور حسب قوت و عوارض تیز یا سست ہوگی۔ اسی طرح تنفس کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن تنفس کا چھوٹا بڑا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

بہرحال انسان میں اگر انسانیت، اخلاق اور حبّ الوطنی کا جذبہ پیدا ہو جائے، ایک انسان کی تکلیف اپنی تکلیف تصور کرے تو یہ اونچ نیچ اور اقتصادی بے راہ روی معاشرہ سے ختم ہو جائے۔ اصفیاء کرام اسی لیے دنیا سے دور رہنے کی اپنے معتقدین کو تلقین کرتے تھے کہ جب ان کے دلوں میں دنیا کی محبت نہ ہوگی تو وہ اس کے جمع کرنے میں ناجائز طریقوں سے کام نہ لیں گے اور ان میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھرے گا، کیونکہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔